

امتحانوں کی کامیابی تحصیل علم کا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے ایک حیثیت اظہار لیاقت کی اور ایک ملکہ تحصیل علم کا حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر تم کو عربی پڑھنے کا شوق ہے تو بی۔ اے۔ پاس کرنے کے بعد بجائے خود پڑھ لینا۔ یہ عام مقولہ مشہورات سے ہے کہ عربی، فارسی، انگریزی اسکول میں نہیں آتی کیوں کہ مکتبوں اور مدرسوں میں مقصود بالذات انگریزی ہے نہ کہ عربی۔ فارسی تو کوئی ایسی چیز نہیں۔ لیکن عربی کا علم ادب اور پھر مقولات و مقولات وغیرہ ملا کے بہت ہی وسیع لٹریچر ہو جاتا ہے جس کے لیے ایک عمر مطالعہ اور خواندگی کی ضرورت ہے۔ میں ہرگز کسی ہندو یا مسلمان نوجوان طالب علم کو یہ رائے نہ دوں گا کہ وہ مدرسہ کی تعلیم کا وقت جو نہایت ہی محدود اور بیش قیمت ہے، فارسی یا عربی سنسکرت کے پڑھنے میں ضائع کرے۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔

(۱) ان زبانوں کے پڑھنے یا علوم حاصل کرنے سے قومی حیثیت اور مذہب کا حفظ اور بقا اگر منظور ہے تو وہ اس قسم کی پڑھائی سے جو مدرسوں میں ہوتی ہے حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۲) تکمیل کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کتابوں کا انتخاب اس قسم کا ہوتا ہے کہ ان کو انگریزی کتابوں کے ساتھ ہی ساتھ پڑھنے سے ایک قسم کا تنفر اپنے علوم سے پیدا ہو اور کوئی تعلق ہو نہیں سکتا۔ مثلاً جو طلبہ ایسی عمدہ کتابیں جیسے ملکی کی کتاب سلفی کلچر، ہستلی کی کتاب کے سرنس یا ہلپ کی کتاب ایسز وغیرہ پڑھتا ہو اس کے سامنے وہ کتابیں جو تقویم بالغات اور جھوٹی نوٹشاموں سے بھری ہوئی ہیں، ان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ نصاب تعلیم کے انتخاب کے وقت ممبران کمیٹی فارسی اور عربی کی عمدہ کتابوں کے نام کیوں

بھول جاتے ہیں۔ کیا فارسی اور عربی میں صرف اتنی ہی کتابیں ہیں جن کا انتخاب اکثر نصاب ہائے تعلیم میں دیکھا گیا ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ ایف۔ اے۔ کے پاس کرنے کے بعد تم سے بجائے بی۔ اے۔ کے بی۔ ایس۔ سی۔ کا امتحان دلو اور انشاء اللہ اس کی کامیابی کے بعد تمہاری تعلیم گھر پر ہوگی۔ کہیں اور طالب علموں کی دیکھا دیکھی تم لا کلاس میں نام نہ لکھو الینا اور اگر ایسا کرنا بھی تو صرف علم حاصل کرنے کے لیے نہ اس غرض سے کہ وکالت کا امتحان دے کر اس کو ایک ذریعہ اخذ معاش کا قرار دو۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ وکالت کا پیشہ برا ہے یا اس پیشہ کے لوگ دیانت دار نہیں ہوتے جیسا کہ مشہور ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وکالت کے پیشہ میں افراط و تفریط کی ترغیبات بے شمار ہیں اور احتیاط و شواہد غرض کہ خطرناک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بہر صورت اسلم یہی ہے کہ اس اندیشہ ناک راستے سے درگزر نہ کرو۔

علاوہ اس کے ملک کو اس کی ضرورت بہت کم ہے۔ ہزار ہا وکیل اور بیرسٹرایٹ لا خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ اُن علوم کا حاصل کرنا واجب کفائی بلکہ بعض صورتوں میں واجب عینی ہے جس کے جاننے والے قوم میں کم ہیں اور جس کی قوم اور ملک کو از حد ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ تمہارے مدرسے میں علم ہیئت کا کوئی امتحان مقرر ہوا ہے۔ میں اس کو سن کے بہت ہی خوش ہوا۔ اس علم میں ہمارے بزرگوں نے بہت محنت کی تھی جس کا ثبوت علم ہیئت کی مبسوط تاریخوں سے مل سکتا ہے۔ اس وقت میری میز پر ایک کتاب علم ہیئت کی مع ایک مختصر فرہنگ انگریزی زبان میں موجود ہے۔ ردیف الف میں ال (عربی حرف تعریف)

سے جو لفظیں شروع ہوتی ہیں، ان کا شمار پچاس کے قریب ہے اور عربی الاصل الفاظ کا ذکر نہیں۔ اگر تمہارے درجے کے طالب علم ہیئت کے کلاس میں داخل ہونے کے مجاز ہوں تو تم بھی ضرور نام لکھو اور اس کے کورس کی کتابوں کے نام مجھ کو لکھ کر بھیج دو۔ جو کتابیں میرے کتب خانہ میں موجود ہیں میں بھیج دوں گا باقی کلکتہ سے منگوالینا۔ گرمیوں کی تعطیل میں ہم تمہیں وہ آلات علم ہیئت کے دکھائیں گے جو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان مشاہدات کا بھی تذکرہ کریں گے جو ان سے ہو سکتے ہیں۔  
 رقیۃ دُعاء عابدہ از دہلی۔ ۲۱ جون ۱۸۸۹ء

مقدم بندہ جناب مرزا صاحب تسلیم! میں نے خارجاً جاسنا ہے کہ آپ نے اس زمانے میں کوئی کتاب جز ثقیل میں عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کی ہے۔ اگر وہ کتاب چھپ گئی ہو تو اس کا ایک نسخہ مجھ کو بھیج دیجیے اور اگر نہ چھپی ہو تو کسی اوسط درجے کے کاتب سے لکھوا کر روانہ فرمائیے۔ میں بہت ہی ممنون ہوں گا۔ لہذا ادب کے ساتھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فی زمانہ اس علم میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی ہر تصنیف کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگر آپ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ فرماتے تو شاید قوم اور ملک کے لیے زیادہ مفید ہوتا۔

آپ کا نیاز مند قدیم۔ ظہور الدین۔ ایم۔ اے۔

قدردان بندہ مولوی ظہور الدین صاحب ایم۔ اے۔ دہلوی تسلیم!  
 بجواب آپ کے عنایت نامہ مورخہ ۲۱ جون ماہ سنہ ۱۲۸۵ھ عارض مدعا

ہوں۔ میں نے واقعی ایک رسالہ جرثقیلِ عملی کا جس کے دیباچہ میں مصنف نے اپنا نام ابو علی لکھا ہے، فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس رسالے کی تصنیف سے قوم کو جرثقیلِ عملی کا سکھانا منظور نہیں ہے۔ اس مطلب کے لیے بقول آپ کے کوئی کتاب انگریزی کی ترجمہ کرنا ضروری ہے بلکہ اس ترجمہ سے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ہونہار نوجوان طالب علموں کی نگاہ میں قومی وقعت کا قائم رکھنا منظور ہے جس کی میرے نزدیک اس زمانے میں اشد ضرورت ہے، دوسرے ایک امر اور اس کتاب کے ترجمے کا مقصد یہ ہوا کہ یہ کمیکات بسط جن کا ذکر اس مختصر رسالے میں ہے بعینہ وہی ہیں جو اس زمانے کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً نحو، بیرجم، دلاب، لولب، الفین وغیرہ۔ اس عملی رسالہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بُربانی طور سے یہ علم اُسی زمانے میں ایک حد تک ترقی کر چکا تھا۔ افسوس کوئی کتاب بُربانی دستیاب نہیں ہوئی جسب الحکم آپ کے ایک نقل رسالہ مطلوبہ کی روانہ کرتا ہوں، اگر وہی میں کوئی کارخانہ اس کتاب کے چھاپنے کا ذمہ لے تو بے تکلف بلا تعین حق تالیف دیدہ بھیجے گا۔

ایک خوشخبری آپ کو اور سناتا ہوں کہ ایک نسخہ محقق طوسی کی اقلیدس کا جس میں پورے پندرہ مقالے مع حواشی اور تعلیقات وغیرہ کے ہیں، مجھ کو دستیاب ہو گیا ہے۔ میرا مقصد ارادہ ہے کہ اس کو مکتبہ چھپوا دوں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ کتاب اردو انگریزی دونوں زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع کی جاتی۔ مگر افسوس کہ مجھ کو زمانہ مہلت نہیں دیتا۔ اور کوئی صاحب اس بار کو اپنے ذمہ نہیں لیتے۔ باقر نے بی۔ ایس۔ سی۔ کا امتحان ماشاء اللہ پاس کر لیا مگر وہ ابھی عربی زبان کے اصطلاحات علمی سے نا بلند ہے ورنہ اس کو اس کام میں اپنا شریک کر لیتا۔ باقر نے میرے کہنے سے وکالت کے امتحان کی کوشش نہیں کی اور نہ اُسے مثل اور حوصلہ مند نوجوانوں کے

نوکری کی فکر ہے۔ امید ہے کہ علمی مقاصد میں وہ معین ہوگا۔ بالفعل اسی غرض سے میں نے اس کو عربی معقولات پڑھانا شروع کیا ہے۔ الشفیٰ معنی ذالکلا تمام مین اٹھ۔

دہلی میں ایک صاحب میر احسان علی نامی کشمیری دروازے کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد علوم ریاضیہ میں اپنے عہد کے کاہلین شمار کیے جاتے تھے۔ جب میں دہلی گیا تو بالخصوص ان سے ملا تھا۔ بچارے بہت پریشان حال تھے۔ ان کے پاس ایک اسطرلاب جس کا قطر دس انچ تھا۔ لاہور کی بنی ہوئی نہایت ہی عمدہ مٹی اور وہ اسے بیچتے تھے۔ پانچ سو روپیہ قیمت کہتے تھے۔ افسوس! اس وقت میرے پاس روپیہ نہ تھا۔ آپ براہ عنایت ان سے دریافت کیجیے۔ اگر وہ اب تک نہ بچی ہو تو میرے واسطے خرید لیجیے۔

آپ کے چچا مولوی ریاض الدین صاحب ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لیے آپ کو ان کی تلاش کرنے میں وقت نہ ہوگی۔

نیاز کیش عابد

مرزا۔ بے معظم بندہ تسلیم! رسالہ مرسلہ پہنچا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رسالہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مجھے اس کا فخر حاصل ہوا کہ ایک کتاب آپ کے دستخط خاص سے میرے کتب خانہ میں شامل ہوئی۔ مگر آپ نے کیوں تکلیف کی اسی سے لکھو ادراہوتا۔ واقعی کیا عمدہ رسالہ ہے اور ترجمہ کا حق آپ نے خوب ادا کیا ہے اور کچھ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے یادہ تعریف کو پسند نہیں فرماتے اگرچہ وہ امر حق ہی کیوں نہ ہو۔

چچا جان سے دریافت کر کے میں خود میر احسان علی کے مکان پر گیا تھا۔

بالفعل وہ پٹیاں میں ہیں مگر ان کے صاحبزادے کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ اسطراب ایک صاحب جرمی سے آئے تھے وہ سات سو روپیہ کو خرید لے گئے۔

اس بات کے دریافت ہونے سے مجھ کو کچھ زیادہ افسوس نہیں ہوا۔ اس لیے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ اصولِ علوم سے باخبر ہیں اور میں جب لکھنو گیا تھا تو آپ کے ہاتھ کا بنا ہوا اسطراب خود دیکھا تھا۔ میرا اعتقاد مجھے یقین دلاتا ہے کہ میرا احسان علی والا اسطراب اس سے کسی طرح بہتر نہ ہوگا۔ بالفعل آپ کے پانچ سو روپیہ کی بچت ہو گئی ورنہ مجھ کو تعمیل ارشاد ضرور ہی کرنا ہوتی اور پانچ سو روپیہ آپ کے بلا ضرورت صرف ہو جاتے۔ محقق طوسی کی اقلیدس محشی کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ ممکن ہو تو اسے چھپوا دیجیے۔ بھائی باقر حسین سلمہ کے امتحان میں پاس ہونے کی خبر مجھے ان کے خط سے معلوم ہو چکی تھی اور ان کو میں مبارک باد بھی دے چکا ہوں۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے مثل ان کو بھی تارک الدنیا بنانا چاہتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کا ذاتی منشاء کیا ہے۔ کیا وہ اپنی آئندہ زندگی کو ملک اور قوم پر تیار کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اگر ایسا کیا تو بہت بُرا کیا۔ چچا جان کی طرف سے آپ کو سلام شوق بکھ کر اس عریفہ کو ختم کرتا ہوں۔ فقط

عقیدت آئین  
ظہور الدین

عنایت فرمائیے بیکراں جناب مرزا صاحب دام مجدہ تسلیم!  
یہاں بہ ہمہ وجوہ خیریت ہے اور آپ کی خیر و عافیت کا درگاہ قاضی الحاجات سے شب و روز نیک مستدعی رہتا ہوں دریں و لا باعث تحریر نیاز نامہ ہذا یہ ہے

کہ نور چشمی۔۔۔۔۔ کی تقریب کتنی دلی ہوئے والی ہے۔ اس کے واسطے کچھ اسباب تو پہلے سے موجود ہے اور کچھ اسباب خریدنا ہے حسین الدین کی والدہ نے کل شب کو یہ صلاح دی کہ مرزا صاحب بالفعل نکھنوں میں تشریف رکھتے ہیں۔ جو کچھ خریدنا ہے ان کو کچھ بھیجو، وہ خرید کر کے بھیج دیں۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ آپ نکھنوں میں ہیں مگر یہ خیال کبھی نہ آیا تھا کہ آپ کو اس بارۂ خاص میں تکلیف دوں۔ بہر صورت ایک فہرست اسباب خریدنی ملفوف خط ہذا ہے۔ اس کے موافق کسی آدمِ معتبر کی معرفت خرید کر کے بذریعہ ریلوے بہت جلد روانہ فرمائیے کہ عین احسان ہوگا۔ خدا کرے کہ آپ شادی کے وقت تک یہاں آجائیں تو اس کا رخیہ میں مجھ کو آپ سے بہت مدد ملے گی۔ یہ بھی اطلاع گذارش کیا جاتا ہے کہ نور چشمی کی شادی کا جہاں سے پہلے پیام ہوا تھا اور پھر بعد ڈکچہ بھگڑے نکل آئے تھے وہیں تقرر ہو گیا۔ حسین الدین کی والدہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں مگر قومیت کے لحاظ سے میں راضی ہو گیا۔

حسین الدین کی والدہ کا یہ بھی خیال تھا کہ اسباب جہیز وغیرہ کے خریدنے کی کیا ضرورت ہے اور لڑکے کے والدین بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ نقد دیدیا جائے مگر میری رائے ہے کہ جب دینا ہی ہے تو نام کر کے کیوں نہ دیا جائے۔ چار اپنے پرایوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ کیا کیا دیا گیا اور روپیوں کی تھیلیاں یا نوٹ اگر چپکے سے دیے گئے تو اسے کون جلانے گا۔

رجب آئندہ کی ادائل تاریخوں میں، شادی سے فراغت ہو جائے گی۔ خیر، مرزا صاحب خدانے اس فرض سے بھی ادا کیا۔ سب چھوٹے بڑوں کی طرف سے دعا، بندگی، سلام قبول ہو۔

مکرر عرض یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے آپ کا آنا نہ ہو سکے تو عزیز می باقر حسین اور شرط اسکان ان کی والدہ کو ضرور روانہ کر دیکھے گا ورنہ شکایت ہوگی بلکہ میں

تو کہتا ہوں کہ اگر آپ اس موقع پر تشریف رکھتے ہوتے تو بہت بہتر تھا۔

فقط

راقم ہدایت حسین پیشکار

سید صاحب من تسلیم۔ مبارک باد! عنایت نامہ آپ کا آیا۔ اگرچہ شادی بیاہ کے موقع پر کوئی امر جو صلہ منداں باپ کے خلاف طبیعت لکھنا اکثر ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی آزاد رائے کے ظاہر کرنے پر کسی طرح منع نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ دو امروں میں مابین آپ کی رائے اور حسین الدین سلمہ کی والدہ یعنی آپ کے اہل خانہ کی رائے کے اختلاف ہے اور دونوں امروں میں حق آپ کی بیوی کی طرف ہے۔ مگر کچھ لکھتے نہیں بن پڑتا۔ اگر شادی کا تقرر ہو گیا اور معاہدے طرفین سے طے پا گئے تو اب یہ لکھنا فضول ہے کہ آپ نے اچھا نہ کیا۔ ماشاء اللہ صاحبزادی آپ کی خواندہ اور نہایت ہی سلیم الطبع ہے اور وہ نوجوان جو آپ کا داماد ہونے والا ہے، میں نے سنا ہے (خدا کرے جھوٹ ہو) الف کے نام آتے بھی نہیں جانتا۔ قومیت کے باب میں ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ مگر جناب اگر لڑکی کی عنایت منظور تھی تو اس جاہلانہ قومیت کے خیال کو چھوٹے میں ڈالا ہوتا۔ اب مجبوراً یہ مجھے اور میرے مثل آپ کے اور دل سوز دوستوں کو یہ کہنا ہی پڑے گا۔ الخیر فی مآدق۔

یہ جو آپ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگرچہ لڑکا جاہل ہے لیکن نہایت ہی غریب اور کم سخن ہے۔ اس کا میں قائل نہیں۔ اس لیے کہ آپ کو اس کا تجربہ کس طرح ہوا؟ اور اگر ہوا بھی تو وہ غلط اصول پر مبنی ہے۔ سونا جانے گئے اور آدمی



جانے بسے۔ جناب وہ لڑکا جب آپ کے مکان پر بطور دھتورے کے آیا ہوگا تو کیا آپ سے اسی وقت گالی گلوچ کرتا یا نشست مٹت کرتا تو آپ کو اس کی جاہلیت کا یقین ہوتا۔ جاہل سے سوائے جاہلیت کے اور کس بات کی توقع ہو سکتی ہے۔ بہر صورت جو کچھ آپ نے کیا میں تو اسے کبھی اچھا نہ کہوں گا۔ مگر ہر کسے مصلحت خویش کو میداند۔ دوسرا امر یہ ہے کہ بھابی صاحبہ کی رائے بہت ٹھیک ہے کہ نقد روپیہ دے دیا جائے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسے لائق خواندہ شخص کے ایسے پست خیالات ہوں۔ اول تو نام کا خیال ہی لغو ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو اپنے ضلع کے کسی لوکل اخبار میں چھپوا دیجیے یا مجھ کو اجازت دیجیے میں چھپوا دوں گا کہ میر ہدایت حسین صاحب پیشکار نے اپنی بیٹی کے جہیز میں پانچ ہزار روپے دیئے نقد روپیہ دینے میں ایک کتنا بڑا یہ نفع ہے کہ اگر داماد آپ کا بخیاں آپ کے سلیم الطبع اور نیک نفس ہے تو ایک سرمایہ اس کے پاس مہیا ہو جائے گا جس سے وہ کسی قسم کی تجارت کر لے گا۔ زیور وغیرہ کے دینے کو میں چنداں برا نہیں خیال کرتا۔ اس لیے کہ اس میں نقصان کم ہے۔ مگر یہ لچک ٹپے کے کپڑے، تانبے کے برتن، پلنگ، پیڑھی اور تمام اسباب جس کی بالفعل کوئی ضرورت نہیں ہے، سوائے داموں پر خرید کر کے لڑکی کے ساتھ کر دینے میں کیا ایسی رسوخیت ہے۔ اگر خدا خواستہ لڑکے والے اس قدر محتاج ہیں کہ ان کے چولہے پر تو انک نہیں ہو۔ اس صورت میں البتہ تھوڑا سا اسباب حسب ضرورت دے دیجیے تاکہ آپ کی خوشی ہو جائے ورنہ میں تو اس کی بھی رائے نہ دوں گا۔ لڑکایا اس کے والدین حسب ضرورت خرید کر لیں گے۔

قطع نظر فرض انسانی اور اخوت اسلامی کے مجھ کو آپ سے محبت ہے۔ اس لیے یہ چند کلمے بطور نصیحت اپنا فرض سمجھ کے لکھ دیے ہیں۔ ابھی رجب کے

بہت دن باقی ہیں۔ امید کہ آپ ان امور پر کامل غور کر کے جواب تحریر فرمائیں گے۔ اگر میری رائے مقبول نہ ہو تو فہرست آپ کی میں نے احتیاط سے صندوقچے میں رکھ چھوڑی ہے۔ اسی فہرست کے مطابق یا اگر کچھ ترمیم کیجیے یا فہرست ترمیم شدہ کے بموجب کل اسباب میں اپنے ہاتھوں حتی الامکان نہایت کفایت سے خرید کر کے روانہ کر دوں گا۔ اور ہاں خوب یاد آیا۔ میں افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ میری اور والدہ باقر حسین کی شرکت اس تقریب میں نہیں ہو سکتی اور نہ میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ عزیزی باقر حسین کو آپ کی خوشی کے لیے ضرور بھیج دیتا مگر وہ آج کل میرے ساتھ علم الاجاز کی ایک معتبر کتاب کے ترجمہ کرنے میں مصروف ہے۔

میر صاحب! میری صاف گوئی سے خزانہ ہو جائیے گا۔ میرے خط کے ہر فقرے کو کم از کم دو بار پڑھیے اور اس کے نتائج پر غور کیجیے۔ باوجود علم و فضل کے بھی انسان اگر اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے احباب کی برائی بھلائی پر نظر نہ رکھے تو حیف ہے۔

بھابی صاحبہ کو سلام اور بچوں کو دُعا۔

رقیمہ خاکسار۔ عابد

جناب مرزا صاحب معظم بندہ دام مجد کم۔ تسلیم! آپ کے خط کا ایک ایک فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت کو میں خوب سمجھے ہوئے ہوں مگر بعض وجوہ سے میں مجبور ہوں اور میں اس کے ہر نقطہ پر عمل کرتا مگر ہم چشموں خصوصاً عزیزوں کی طعنہ زنی کا خیال مجھے مجبور کیے دیتا ہے۔ بہر صورت میں نے فہرست اسباب میں بہت ترمیم کر دی ہے

ٹرکے کے ماں باپ بہت معمول ہیں۔ شاید اس کی نوبت نہ آئے کہ کسی دکان یا کارخانہ کرنے کی بالفعل ضرورت ہو، اور ان لوگوں کی یہ ظاہر بھی خوشی معلوم ہوتی ہے کہ حسب معمول جہیز دیا جائے کیوں کہ ادھر برات وغیرہ کی تیاریاں بہت دھوم دھام سے ہوں گی۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسی تیاری کی حیثیت کے موافق ادھر بھی سامان کیا جائے۔

اس شادی میں شریک نہ ہونے کا مجھے ملال ہوا۔ اسباب بہت جلد روانہ فرمائیے۔

### نیازمند ہدایت حسین

میر صاحب من تسلیم! آپ کا خط آیا۔ فہرست ترمیم شدہ اور پہلی فہرست کو میں نے ملا کر دیکھا۔ صرف سو، سو اسور دپے کا فرق ہے۔ آپ نکھتے ہیں کہ میرے خط کا ہر لفظ موتیوں میں تولنے کے لائق ہے۔ اگر میں بھی آپ کی طرح عبارت آرائی جانتا ہوتا تو اس قدر دانی کے موتیوں سے زیادہ کسی قیمتی چیز سے مثال دے کے شکریہ ادا کرتا۔ آپ کہتے ہیں کہ لفظ لفظ موتیوں میں تولنے کے لائق ہے مگر افسوس کہ آپ نے اسے ٹھیکریوں میں بھی نہ تولا۔ اس لیے کہ علم کی قدر عمل یعنی نصیحت کی قدر اس پر کار بند ہوتا ہے میر صاحب! آخر آپ نے اپنی ضد کی۔ کچھ آپ پر موقوف نہیں۔ تمام قوم تقلید کے دام میں پھنسی ہوئی ہے۔ امر غیر معقول پر کسی کی طعنہ زنی کا خیال یعنی چہ؟ اسی موقع کے لیے کسی استاد کامل نے یہ بھدی سی مثل کہی ہے۔ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے "کرم" میر صاحب! میں سچ کہتا ہوں کہ اس غلطی میں اگر صرف آپ کی ذات

خاص کامز رہتا تو مجھے چنداں افسوس نہ ہوتا۔ جیف آپ اپنی ضعیف طبیعت کی وجہ سے ایک ناکردہ گناہ معصوم بچی کو معرض خطر میں ڈالتے ہیں۔ آپ کے خط کی عبارت پڑھ کے عرب کی جاہلیت کا زمانہ اور پائسی ذنپ قُتِلَتْ والا مضمون میری آنکھوں میں پھر گیا۔ لڑکی کو بے سمجھے بوجھے کہیں جھونک دینا زندہ دفن کر دینے سے بدتر ہے۔ مگر اب یہ افسوس بالکل بے موقع ہے۔ اسباب اسی ہفتہ خرید کر کے روانہ کرتا ہوں خاطر جمع رکھیے۔

نیازمند  
عابد

مخدومی و کرمی جناب مرزا صاحب دھام برکاتکم تسلیم! آپ کے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے کوئی کتاب "روزانہ زندگی" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ اگر وہ چھپ گئی ہو تو ایک جلد اس کی مرحمت فرمائیے۔ ممنون ہوں گا۔

خادم  
مہادیو پرشاد

جناب من۔ ابھی اس کتاب کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی اور شاید وہ کتاب کبھی نہ چھپ سکے۔

رقیم نیاز  
عابد

معظمیٰ جناب مرزا صاحب قسلیم۔ میں ایک مدت سے آپ کی تعریفیں سنا کرتا ہوں اور آپ کے خیالات کے معلوم کرنے کا مجھے کمال شوق ہے۔ آپ کے مختصر جواب نے مجھے بالکل مایوس کر دیا۔ ایک تو اس کا سبب تحریر فرمائیے کہ وہ کتاب کیوں نہ چھپے گی۔ دوسرے اگر کوئی کتاب آپ کی تصنیفات سے چھپ کر تیار ہو تو مجھ کو ضرور عنایت کیجیے۔

عریضہ خادم - مہادیو پرشاد

جناب میری تصانیف سے جو کتابیں چھپی ہیں وہ سب علمی ہیں۔ فہرست کتب مطبوعہ کی روانہ کرتا ہوں۔ جو کتاب مطلوب ہو پبلشر کو خط لکھ کر منگوا لیجیے۔ "روزانہ زندگی" کے نہ چھاپنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مختصر کتاب میں نے مرزا سوا صاحب کی فرمائش سے لکھی تھی۔ وہ ان کے حوالہ کر دی۔ مرزا صاحب نے جو میری لائف تحریر فرمائی ہے اس میں اکثر مضامین اس رسالے کے موجود ہیں۔ کیوں کہ کتاب "روزانہ زندگی" کا تعلق بالخصوص میری ذاتیات سے تھا جس کو میں نے سیدھے سادے لفظوں میں لکھ دیا تھا۔ مرزا صاحب نے اس کو شاعرانہ ستائش اور دوستانہ نوازش کے ساتھ خلط مبعث کر کے ایک عجیب چیز بنا دیا جس کو یادہ خود سمجھ سکتے ہیں یا ایسے اصحاب جن کو ناول دیکھنے کا شوق ہے۔ خلاصہ یہ کہ میرے واقعات کو ایک دلچسپ فسانہ بنا دیا۔ میری پوری لائف کا خلاصہ یہ ہے کہ میں ایک چلتی ہوئی کل ہوں جس کی کمافی ضرورت اور جس کی قوت مجبوری ہے۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ ہر انسان کی لائف کا یہی خلاصہ ہے۔ میری لائف میں میرے بعض رنج کے حالات ایسے لکھ دیے ہیں جن کا مشہر کرنا شاید اور کوئی شخص گوارا نہ کرتا مگر مرزا صاحب کا خیال ہے کہ اس سے خلق اللہ کو فائدہ

پہنچے گا۔ اگر ایسا ہے اور میری آرزو ہے کہ ایسا ہو تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔  
زیادہ نیاز۔

آپ کا خادم۔ عابد

بی۔ ایس۔ سی کا امتحان باقر نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں پاس کیا تھا۔  
جب والد کو اپنی کامیابی کا حال لکھا۔ اس کے جواب میں جو خط مرزا صاحب نے  
اپنے لائق فرزند کو لکھا تھا اس کو بعینہ نقل کیے دیتے ہیں۔

عزیز از جان من مرزا باقر حسین سلمہ۔ بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارے  
بی۔ ایس۔ سی۔ ڈگری کا امتحان پاس کرنے کا حال معلوم ہوا۔ اس موقع پر اگر  
میں خوشی نہ ظاہر کروں تو تم ناخوش ہو گے۔ اس لیے تمہاری خوشی کے لیے میں  
نے تمہارے نام کے ساتھ قبل اس کے کہ یونیورسٹی کے ہال سے تم گون پہننے  
ہوئے ڈپلوما ہاتھ میں لے کے نکلو، لفظ بی۔ ایس۔ سی۔ بھی تمہارے القاب میں  
بڑھا دیا اور خلافت معمول ج تمہارے نام کے پہلے لفظ مرزا بھی لکھا ہے۔ واقعی  
اب تم اس قومی اور خاندانی خطاب کے شایان شان ہو۔ میرے نزدیک اعلیٰ  
درجہ کی تعلیم شرافت کا تمغہ ہے جس سے میں زندگی میں نامساعدت زمانہ کی وجہ  
سے محروم رہا مگر یہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ خالی شرافت کا تمغہ بھوک پیاس کی  
تسکین کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک طبعی حاجت کے لیے طبعی مشقت ضروری  
ہے۔ اگر تمہارے لیے کوئی پانی نہ بھرے تو جب پیاس لگے گی تم ہی کو ڈول لے  
کے خود ہی کنویں پر جانا پڑے گا۔ اگر کوئی تمہارے لیے روٹی نہ پکائے تو تمہیں  
خود ہی پکانا پڑے گی۔ تم ماشاء اللہ خود صاحب علم ہو۔ مجھ سے زیادہ اس بات  
کو سمجھ سکتے ہو کہ جو تحریک جتنی قوت سے ایک مرتبہ ہوئی ویسی ہی تحریک کے لیے

اتنی ہی قوت ہمیشہ لازمی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو پھر علم میکانیات میں کوئی تمقیاس نہ مقرر ہو سکتا اور نہ اس علم کا انضباط ہو سکتا۔ نظام شمسی اور سیارات سے لے کر ایک قطرہ آب بلکہ ہر ذرہ اس میکانیکی قانون کے تابع ہے۔ وَذَٰلِكَ تَعْلِيْقُ الْعَزِيْزُ نِزَاجُ الْحَكِيْمِ۔  
روٹی بغیر محنت کے نہیں مل سکتی۔ میری مراد جسمانی اور طبی محنت سے ہے۔

وہ شغل بیکاری جسے لوگ دائمی محنت کہتے ہیں، میرے نزدیک اس مقصد کے لیے مفید نہیں۔ ہاں کلوں کی ایجاد سے انسان کو یہ فائدہ ہوا کہ مشقت بدنی میں کفایت اور بچت ہو گئی مگر تحریک اور محرک کی قوتوں میں جو مساوات تھی وہ بعینہ باقی ہے۔ جو کام جس قوت سے ہوتا تھا وہ اب بھی اسی قوت سے ہوتا ہے۔ کلوں کی ایجاد نے کام کی مقدار کو بڑھا دیا۔ مگر اس سبب سے کام کی ضرورت دنیا میں زیادہ ہو گئی اور یہی وجہ ہے کہ انسان کو پھر بھی فرصت نہ ملی۔ جتنے کام کی ضرورت بڑھی کلوں نے اتنی ہی محنت کا بچاؤ کر دیا۔ اگر معادلت کے دونوں طرف سے یہ دونوں برابر چیزیں نکال لی جائیں تو پھر بھی انسان کی ذاتی حاجت ایک طرف اور اس کی ذاتی مشقت دوسری طرف باقی رہ جائے گی۔ یہ ایک ایسی ضروری معادلت ہے جو تاقیام قیامت (بلکہ اس کے بعد بھی) باقی رہے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کلوں کی ایجاد کے بعد کارخانوں میں کاریگر نظر آتے نہ کھیتوں میں کشت کار۔

مثلاً روٹی کی ضرورت جو سب ضرورتوں سے زیادہ ہے۔ اسی کا حال دیکھو۔ تمام عالم کی زمین مزروعہ۔ ایک رقبہ آراضی محدود ہے۔ انسانوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ کلوں کی ایجاد نے جتنا محنت کا بچاؤ کر کے پیداوار کو بڑھایا اتنے ہی کھانے والے بڑھ گئے۔ کھانے والوں کے بڑھنے سے مانگ زیادہ ہو گئی قیمت بڑھ گئی۔ قیمت کا بڑھ جانا بعینہ محنت کا بڑھ جانا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مانگ کے بڑھنے سے دساور بڑھ جاتا ہے اور اس سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یہ نسبت ہمیشہ دو

خاص ضدوں کے مابین گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

ایک لطیفہ تمہیں سناتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست تھے۔ پادری صاحب تازہ ولایت۔ ایک دن میں اُن کی ملاقات کو گیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ خس کی ٹٹیاں لگی تھیں۔ پنکھا قلی پنکھا کھینچ رہا تھا۔ اتفاقاً پنکھا قلی کسی ضرورت سے پنکھا چھوڑ کے چلا گیا۔ سخت گرمی ہو گئی۔ اس پر کچھ ذکر چلا۔ پادری صاحب نے فرمایا۔ واقعی بڑا سخت کام ہے۔ دن بھر ہاتھ نہیں رکنا۔ اگر اب کی میں ولایت گیا تو اس مقصد کے لیے ایک کل بنوالاؤں گا۔ صاحب نے ایسا ہی کیا۔ پنکھا کھینچنے کی کل ایجاد کی۔ ولایت سے بنوا کے لائے۔ مگر اس سے کیا ہوا۔ محنت کا خرچ تقریباً دو ہی رہا۔ اس لیے کئی سَو روپیہ صرف کر کے کل تیار ہوئی۔ پھر ہندوستان میں آنے جانے کا خرچہ۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو وہی ماہواری پڑ جائے گی۔ پنکھا قلی بھی بیکار نہ رہا ہوگا۔ حاجتوں نے اس کو اور کام میں لگا دیا ہوگا۔

خلاصہ تقریر یہ ہے کہ کلوں کے ایجاد ہونے نے آدمی کو بیکار نہیں کر دیا۔ میری رائے میں بدنی محنت کرنا ہر شخص پر واجب ہے اور واجب بھی کیسا عینی نہ کفائی۔ اس لیے ایک مثال لکھتا ہوں جس سے میں خیال کرتا ہوں کہ میرا مطلب تم بخوبی سمجھ جاؤ گے۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لو کہ تم اپنے فارم پر ہو اور برسات کا زمانہ قریب ہے۔ مٹکا چمارنے اپنا چھتر باندھا ہے۔ اب وہ اٹھا کے کچی دیواروں پر رکھنا چاہتا ہے۔ لوگ چھتر اٹھانے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ صرف ایک آدمی کی کمی ہے۔ تم موجود ہو۔ کیا ایسی حالت میں اپنی بی۔ ایس۔ سی۔ کی ڈگری کا تفاخر اپنے دماغ میں لیے ہوئے اسٹڈی روم (کتاب دیکھنے کا کمرہ) میں بیٹھے رہو گے اور اس غریب کے چھتر اٹھانے



کی تکلیف اپنی شان کے خلاف سمجھو گے؟ مجھے تمہارے اخلاق سے کبھی امید نہیں ہو سکتی۔ اسی مثال سے سمجھ لو نوعی ضرورتوں کا بار اٹھانے کے لیے قوت اجتماعی کی ضرورت ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس کے لیے ہر شخص کو حصہ رسدی طبعی مشقت کرنا فرض ہے۔ ہر شخص کو کم از کم اتنا کام ضرور کرنا چاہیے جو اس کی ذاتی حاجتوں کی مساوات کو پورا کر دے اور اپنی ذاتِ خاص کے لیے اس کو دوسروں کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

ہمارے ملک کے دیہات کا دستور ہے کہ فصل کی تیاری کے وقت کچھ لوگوں کے حقوق فی یگھ یا فی کھیت دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ فقیر کا بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ بلا محنت دنیا کی کھیتی سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کا حال مثل ان دیہاتی فقیروں کے ہے۔

میں اس حق کو کوئی حق نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہ ایک قسم کا صدقہ ہے جو اور لوگ اپنی عنایت سے بیکاروں کو دے دیتے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے قریب کفایت علی شاہ ایسے ہی فقیروں میں سے ہے جس کو ہر فصل پر اناج دیا جاتا ہے۔ اس کا دینا ہمیشہ کھلتا ہے۔ مگر ایک دن میں خود اس کے تکیہ کی طرف نکل گیا۔ اس دن سے میرا وہ خیال بدل گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ذات سے آئندہ دور وند کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے خصوصاً بو جھیلوں کو۔ گنوار بھاری بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے پسینہ ٹپکتے ہوئے دھوپ میں جلتے وہاں آکر سایہ دار درختوں کے نیچے دم لے کر ٹھنڈی ہوا کھاتے ہیں۔ اس کنویں سے جو اس کا ذاتی بنوایا ہوا ہے، پانی پیتے ہیں۔ مسلمان اسی کے گھروں سے اور ہندو خود بھر لیا کرتے ہیں۔ ٹھیک میں آگ تیار رہتی ہے۔ لوگ چلمیں بھر بھر کر پیتے ہیں۔ غرض کہ اصول کفایتِ عامہ نے کفایت علی شاہ کو بھی بیکار نہیں چھوڑا۔

شہروں میں بہت سے نیکے عالم، فاضل، مولوی، پادری، پنڈت،  
استا فائدہ بھی خلق اللہ کو نہیں پہنچاتے۔ نظام معاشرت سے اگر ان کو کچھ  
وصول ہوتا ہے تو وہ ہرگز ان کا حق نہیں ہے۔ تم کہو گے کہ اخلاقی فائدہ  
ان سے پہنچتا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے۔ مگر اتنا ہی اخلاقی نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ  
لوگ ان کی عزت اور شان و شوکت دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں اور اسی  
قسم کے طریقہ زندگی کو پسند کر کے اسی مقصد سے تحصیل علم کرتے ہیں۔  
اور ویسے ہی اخلاق اخذ کر کے ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین بن جاتے ہیں۔  
ان کی اولاد اکثر حالتوں میں اپنے آبائی علم و فضل میں جس کی مقدار بہت  
ہی کم ہے حد سے زیادہ فخر کرتے ہیں۔ اور لوگ اس خیال سے کہ ان کو  
تحصیل علم و فضل کا موروثی ملکہ حاصل تھا اور اس کے اکتساب کا ذریعہ بھی  
ان کے پاس موجود تھا۔ ضرور ہے کہ یہ لوگ بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ  
تر عالم و فاضل ہوں، ان کی قدر کرتے ہیں اور ان کو بلا محنت جو یہ  
عزت حاصل ہو جاتی ہے اسی وضع کو ان کی اولاد اختیار کر لیتی ہے۔ رفتہ  
رفتہ علم و فضل خاندان سے مفقود ہو جاتا ہے۔ اور صرف تفاخر باقی  
رہ جاتا ہے۔

نئی روشنی والوں میں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ریفارمر بن بیٹھے  
ہیں۔ خود راہِ فیض و دیگران را نصیحت۔ اور اکثر حالتوں میں اسی کو ذریعہ  
معاش قرار دے لیتے ہیں۔

میں نے سنا ہے کہ تم لاکلاس اٹنڈ کرتے ہو (پڑھتے ہو) میں کسی  
قسم کے تحصیل علم کو منع نہیں کرتا بلکہ علم قانون کا حاصل کرنا بہت ضروری

ہے۔ جس سلطنت کے ہم تابع ہیں، اُس کے قانون جاننا ہم پر فرض ہے۔ مگر اتنی نصیحت اگر بوڑھے باپ کی مانو گے تو تمہارے لیے بہت مفید ہوگا۔

میری رائے میں ان پیشہ وروں کو روحانی مسرت کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے دُنیا کے جھگڑوں سے ایک دم فرصت نہیں ملتی۔ اگرچہ اصل پیشہ وکالت بُرا نہیں۔ مگر بڑی احتیاط کا کام ہے۔ ہمارے شہر میں چند وکیلوں نے جو احتیاط اس باب میں کی ہے وہ ان کا حصہ ہو گیا۔ شاید تم سے نہ بچ سکے گی۔ غاصب و ظالم کی حمایت کرنا ہر مذہب میں ناجائز ہے اور مجھے خوف ہے کہ اس پیشے میں اس کا خیال کمتر رہتا ہے۔

انجینیئر اور اس سے بہتر ڈاکٹری ہے۔ اگر یہ تم سے ہو سکے تو کرو۔ ورنہ میرے پاس چلے آؤ اور میرے ساتھ ہل جو تو۔ یہ بہت ہی عمدہ کام ہے۔ بڑے لطف سے زندگی گزرتی ہے۔ اطمینان، فراغت، صحت، سب کچھ اسی کام میں ہے۔ (کٹری لائف) دیہات کی زندگی بسر کرنے کا مزہ اہل شہر کیا جانیں۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ مجھے اسی دنیا میں خدا نے بہشت عطا فرمائی ہے۔ اگر تمہیں خدا توفیق دے تو تم بھی یہی لائف اختیار کرو۔ نوکری کے خیال میں نہ پڑو۔ بڑی بڑی ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لینا آسان ہے۔ مگر اس کا نباہ مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے جیتے جی تم ان جھگڑوں میں نہ پڑو۔ آؤ چند روز کی زندگی کسی نیک کام میں صرف کریں۔

یاد رکھو کہ ایک نہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب علومِ ملکی زبان میں سکھائے جائیں گے۔ اگر فی زمانہ بعض عقلاء نے اس امر سے اختلاف کیا تھا کہ ہماری زبان یعنی اردو علمی نہیں ہو سکتی۔ لہذا تعلیم

علوم انگریزی زبان میں ہونا چاہیے۔ یہ اختلاف محض موجودہ ضرورتوں کے اختیار سے تھا یا اس مایوسی کی وجہ سے جو اردو کی کم مانگی پر نظر کر کے پیدا ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں یہ کوشش کیے بغیر مایوس ہو جانا ٹھیک نہیں۔ ع

ایں فتویٰ ہمت بود ارباب ہم را

میں نے تمہاری بے اجازت تمہاری دبستر ڈکشنری کو جلد سے نکال کر اس کے اجزاء علیحدہ کر دیے اور انٹریو کر کے دو دو صفحوں کا ایک جزو جدا کر لیا ہے جس قدر الفاظ اور اصطلاحات علمی الفاظ انگریزی کے مقابلے میں مجھ کو یاد ہیں ان کو لکھتا جاتا ہوں۔

دبستر ڈکشنری کے صفحات کا شمار ۱۶۸۱ ہے۔ اگر بحساب اوسط ایک صفحہ روز لکھا جائے (جو کم از کم ہے) اور ایک گھنٹہ اس کام میں صرف ہو (جو زیادہ سے زیادہ ہے) تو چار برس سات مہینے گیارہ دن میں کل ڈکشنری ہنستے کھلتے مترجمہ ہو جائے گی۔ ایک گھنٹہ روزانہ اس کارِ اہم کے لیے صرف کرنا کچھ ایسا بار نہیں ہے اور اگر اس کا شوق تم کو بھی ویسا ہی ہو جیسا کہ مجھے ہے اور پانچ گھنٹہ روز ہم تم مل کے محنت کر سکیں تو کل کام ۳۳۶ روز میں یعنی گیارہ مہینے میں تمام ہو سکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ انگریزی کے مقابل مشکل سے لفظ ملیں گے۔ مگر یہ تم جانتے ہو کہ مجھے لفظوں کے گڑھنے میں ایک خاص ملکہ ہے۔ جب تم میرے ساتھ کام کرو گے تو عجب نہیں کہ چند روز میں یہ صفت تم میں بھی پیدا ہو جائے۔ شاید تم کہو کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل مجھ سے سنو۔